مسلمانوں کی قربانیاں اوران کے ساتھ تعصب وبھید بھاؤ

ڈاکٹرمحمد منظور عالم

اسلام ایک آفاقی دین ہونے کے سبب انسان کوانسان کی غلامی سے نکالتا ہے اورآزادی پرزور دیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام کے حاملین کے مزاج میں غلامی نہیں ہے اورآزادی کے حصول کے لیے وہ ہرقربانی دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ملک کی آزادی کا پرچم جنوب سے اگر ٹیپو سلطان نے بلند کیاتو مغرب سے سراج الدولہ نے اس راہ میں اپنی جان کانذرانہ پیش کیا۔یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہاجب تک ہمارا ملک انگریزوں کی غلامی سے آزادنہیں ہوگیا۔۱۸۵۷کامعرکہ ہوا،علمائے کرام اورجاں نثاران حریت بہادرشاہ ظفر،علی برادران مولانا محمد جوہر اورمولانا محمد شوکت علی نے آزادی کے ان شعلوں کوہوادی اور جواہرلعل نہرو،مہاتما گاندھی ودیگرشخصیات وسماج کے مختلف طبقات نے مل کر اس آزادی کی مہم میں حصہ لیاجس کے نتیجہ میں انگریزوں کو یہاں سے بھاگناپڑا،اورہمارا ملک آزادہوگیا۔یہ آزادی ایک لمبی جدوجہد اور بے پناہ قربانیوں کے بعد ملی تھی اس لیے یہاں کے دستورسازوں نے دستورسازی کے عمل میں مسلمانوں کوبھی شریک کیااوراس بات کی پوری کوشش کی کہ ملک کے کمزورطبقات بالخصوص مسلمانوں کے حقوق واختیارات کودستور میں شامل کرکے اسے آئینی تحفظ دیا جائے،گوکہ بعض مسلم لیڈران نے اس پر عدم اطمینان اورخدشات کا اظہار کیاتھا۔ان کا مطالبہ تھا کہ ملک کے جمہوری ڈھانچے کوایک وفاقی ڈھانچے میں تبدیل کیا جائے اورسماج کےمختلف طبقات کوان کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی کویقینی بنایا جائے تبھی یہ فیڈرل ملک بن سکے گااورکمزورطبقات بالخصوص مسلمانوں کے حقوق واختیارات محفوظ رہ سکیں گے۔آج ۶۵ سال بعدوہ خدشات صحیح محسوس ہورہے ہیں۔

ملک کے دستورسازوں نے سماج کے کمزور اورپسماندہ طبقات کواوپر اٹھانے اورمین اسٹریم میں لانے کے مقصد سے ریزرویشن دیا۔مسلمانوں کےریزرویشن کاموضوع بھی زیر بحث رہالیکن اس وقت کےلیڈروں نے وزیرداخلہ سرداروللبھ بھائی پٹیل کی اس یقین دہانی پر بھروسہ کیا کہ ملک کے مسلمانوں کو یہ اطمینان رکھنا چاہیے کہ انہیں اس سے زیادہ ملے گا،اورریزرویشن کی تحریک سے الگ ہوگئے لیکن سردارپٹیل کی یہ یقین دہانی عملی شکل اختیارنہ کرسکی اورمسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔۱۹۵۱میں دستورکی دفعہ ۳۴۱ میں ترمیم کرکے ایس سی/ایس ٹی کے ساتھ سکھوں اور بودھوں کوتو شامل کیالیکن مسلمانوں اورعیسائیوں کواس سے باہر رکھایعنی اگرکوئی شخص جوکہ شیڈول کاسٹ طبقہ سے تعلق رکھتا ہے اوراپنی مرضی سے اسلام قبول کرتا ہےتو اسے جوسہولیات حکومت کی طرف سے حاصل ہورہی تھیں وہ اب ملنا بندہوجائیں گی،جبکہ مذہب تبدیل کرنے سے اس کی معاشی صورتحال حسب سابق رہتی ہے۔مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کی جانب یہ پہلاقدم تھا۔یہ ناانصافی دستوری طورپرنہیں ہوئی بلکہ ایک صدارتی حکم نامہ کے ذریعہ ہوئی۔

آزادی کے بعدپہلی جنگ پڑوسی ملک پاکستان سے ہوئی۔حولدارعبدالحمید خاں نے دشمن کی صفوں میں گھس کر کہرام مچادیا اورپھر جام شہادت نوش کیا۔فوج میں موجودمسلم جوانوں نے اپنا حق ادا کیالیکن اس کا صلہ یہ ملا کہ فوج میں ان کی تعدادکم سے کم ہوتی چلی گئی۔اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مسلمانوں کواپنے ملک سے محبت کم ہوگئی یا ان میں جسمانی ودماغی صلاحیت میں کمی آگئی بلکہ اس کی وجہ تعصب اورتفریق تھی۔مسلمانوں پرعدم اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کیونکہ پڑوسی ممالک میں کچھ ممالک مسلمانوں کے ہیں۔

آزادی کے فوراً بعد مولانا ابوالکلام آزاد کو وزیر تعلیم بنایا گیا۔ انہوں نے تعلیم کے میدان میں ہندستان کو ایک بہتر اپروچ دیا کہ کیسے ہندستان علمی و عملی میدان میں آگے بڑھ سکے اور اس ملک کی مذہبی اور لسانی اقلیت ترقی کر سکیں لیکن تعصب اور تفریق کا جال ایسا بُنا گیا خاص کر مسلم طبقات کے لیے کہ وہ تعلیم کے میدان میں پیچھے ڈھکیل دیے گئے۔ اپنے طور پر جو کوشش ملت نے کی انہیں بیوروکریسی نے اپنے طرز عمل سے فائلوں سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ مختلف دہائیوں میں مسلمانوں کی جانب سے اسکول کھولے گئے لیکن انتظامیہ کی جانب سے انہیں تسلیم نہیں کیا گیا یا جن معاملات میں انہیں تسلیم کیا گیا وہاں اتنی تاخیر سے کیا گیا کہ مسلمانوں کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا۔ یہ تعصب اور بھید بھاؤ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ جب یونیورسٹی گرانٹ کمیشن (یو جی سی) کے چیرمین کے عہدہ کے لیے ایک مسلمان اسکا اہل ہوا اور حکومت کے تمام ضابطوں اور اسکریننگ سے نکل کر وہاں تک پہونچا تو سیکولرازم کے سارے اصولوں کو پامال کرتے ہوئے اسے کنارے کر دیا اور یہ کام اس وقت کے وزیر موصوف جو اپنے سیکولرازم اور مسلم پرست وکیل کے لیے مشہور ہیں، نے انجام دیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو وزیر موصوف نے یونیورسٹی کا خدمت گزار بنانے کے بجائے اپنا خدمت گذار بنانے کی کوشش کی اور جب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پورے ملک میں تین کیمپس بنانے کی بات آئی تو طوعاً و کرہاً اس کی اجازت دی گئی لیکن کشن گنج کو آج بھی انتظار ہے اے ایم یو کیمپس بننے کا۔ ان حالات میں کیا یہ ادارے مسلمانوں کے تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے میں معاون ثابت ہوں گے یا حکومت محض مسلمانوں کو وعدہ وعید کرتے ہوئے جھوٹی تسلیوں کے سہارے ہی اپنا شکار بنائے گی۔

یہ تعصب ہی تھا کہ جب مسلمان سائنس کے میدان میں آگے بڑھنے لگا تو اس پر دہشت گردی کی سوئی لگا کر گرفتار کر لیا گیا۔ ڈی آر ڈی او کے سائنسداں اعجاز بیگ کو ۶ ماہ جیل میں رکھا گیا۔ ہائی کورٹ نے اسے بے قصور بتاتے ہوئے رہا کر دیا۔ اس بے قصوری کی سزا یہ دی کہ ڈی آر ڈی او میں خدمت انجام دے رہے مرزا اعجاز بیگ کو اس ادارے نے بحال نہیں کیا۔ وزیر دفاع اے کے انٹونی نے اس معاملے کی انکوائری کا حکم دیا ہے۔ انٹونی جیسے سیکولر شخص سے یہ توقع تھی کہ وہ کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد کو یقینی بناتے ہوئے قانون اور عدلیہ کا وقار بلند کریں گے۔ اس کے برخلاف کرنل پروہت جو کہ دہشت گردی کے الزام میں جیل میں بند ہے کو پوری تنخواہ دی جا رہی ہے اور جیل میں تمام سہولیات حاصل ہیں۔ میزائل مین کہلانے والے سابق صدر اے پی جے عبدالکلام کی خدمات پر بھروسہ کیا گیا لیکن دیگر مسلمانوں کو سہولیات دینے کے بجائے ان کے لیے رکاوٹیں کھڑی کی جا رہی ہیں۔

ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کے تسلسل نے مسلمانوں کی معیشت کو بری طرح نقصان پہونچایا۔ اس کے تدارک کے لیے حکومت نے ریپڈ ایکشن فورس بنایا۔ طے یہ کیا گیا کہ اس میں مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ نمائندگی ہو لیکن اس تجویز نے کبھی سورج کی روشنی نہیں دیکھی جس کے سبب یہ فورس بھی فرقہ وارانہ فسادات کو روک پانے میں کوئی اہم رول ادا نہیں کر پائی۔ پی اے سی میں بھی مسلمانوں کی تعداد برائے نام ہے۔ اس فورس کا حال یہ ہے کہ جہاں جاتی ہے وہاں مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کو نقصان پہونچاتی ہے۔ پولس فورس میں انکاؤنٹر اسپیشلسٹ کے نام پر ایوارڈ دیا گیا۔ وصولی کے نام پر جن مسلمانوں نے پیسہ دینے سے گریز کیا اسے دہشت گردی کے نام پر انکاؤنٹر کر دیا پولس کا یہ عمل قتل کی فہرست میں آتا ہے۔ ملک میں بڑھتے فرقہ وارانہ فساد کو روکنے کے لیے خود حکومت نے کمیٹی بنائی اور جب اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ حکومت کو پیش کر دی اور اس پر قانون بھی بن گیا لیکن ہندتوا کے خوف سے قانون کا وہ مسودہ پارلیمنٹ میں پیش نہیں کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں کمزور طبقات اور مسلمان اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ یہ معاملہ مرکزی حکومت میں ہی نہیں بلکہ ریاستی

حکومتوں میں بھی مسلمانوں کے ساتھ ہورہا ہے، انہیں بلی کا بکرا بنایا جارہا ہے۔جس کی تازہ مثال اترپردیش کی حکومت ہے۔جہاں ایک سال کے اندر تقریباً ۳۰ سے زائد فساد ہوچکے ہیں اور سارے فساد منظم انداز میں ہوئے۔ان کے منظم ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اترپردیش کے ایک وزیر نے مبینہ طور پر اپنے ہی ایک آفیسر جو کہ مسلمان تھے کو نہیں بخشا۔

اترپردیش کی حکومت قانون کا بول بالا کرنے میں ناکام نظر آرہی ہے۔فساد کو روک نہ پانے کے جرم میں محض آفیسروں کا تبادلہ اور متاثرین کو چھوٹے چھوٹے معاوضہ دے دینے سے قانون کی حکمرانی قائم نہیں ہوسکتی۔یہ اسی وقت ممکن ہے جب پی اے سی اور ریپڈ ایکشن فورس میں مسلمانوں کی نمائندگی کو یقینی بنایا جائے۔ملائم سنگھ جیسے مشہور لوہیاوادی سرٹیفکٹ تقسیم کررہے ہیں کہ 'اڈوانی جی کبھی جھوٹ نہیں بولتے' شاید ایکسویں صدی کا اس سے بڑا کوئی جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ان کا یہ فاشزم پریم جو کہ پہلے سے ان کے دل میں تھا جاگ اٹھا ہے،مودی کا خوف انہیں ستانے لگا ہے۔وہ بھی مسلمانوں کو ووٹ بینک گردانے لگے ہیں۔اس طرح مسلمانوں کے تئیں ناانصافی اور بھید بھاؤ ہر میدان میں صاف نظر آتا ہے۔بات چاہے اقلیتی وزارت کی ایم ایس ڈی پی اسکیم ہو،اسکالرشپ یا کوئی اور اسکیم مسلم اقلیت کے لیے بنائی گئی ہو تو اس پر عملدرآمد مجبوری کے تحت کچھ فیصد تک کرلیا جاتا ہے باقی زیادہ حصہ یا تو غلط استعمال ہوتا ہے یا نہیں استعمال ہوتا ہے اور واپس چلا جاتا ہے۔اس ناانصافی کا شکار اکیلے مسلمان نہیں ہیں بلکہ ایس سی/ایس ٹی وغیرہ بھی پہلے سے ہوتے رہے ہیں۔اب یہ اس ملک کے تمام ہی انصاف پسند شہریوں،دستور پر یقین رکھنے والے،قانون کی برتری کو قبول کرنے والے اور بھائی چارگی کو قائم رکھنے پر یقین رکھنے والوں،حکومت کے جبر واستبداد کے خلاف کھڑے ہونے والوں اور قانون کی دھجی اڑانے والوں کے خلاف کھڑے ہونے والوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ہندستانی جن کا یہ خواب ہے کہ ہمارا یہ ملک دنیا کے نقشہ میں عظیم الشان ملک نظر آئے،اس میں انصاف،برابری اور بھائی چارہ ہو،ان تمام لوگوں کو اٹھ کھڑے ہونے،ہاتھ ملا کر ساتھ بیٹھ کر سوچ سمجھ کر اس کے خلاف جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ہندستانی شہریوں کا یہ مشن ہے کہ اب ہم ناانصافی کو قبول نہیں کرسکتے۔حکومت میں غریبوں اور کمزوروں کی حصہ داری کو یقینی بنانے کے لیے قربانی دیکر آگے بڑھنے کی ضرورت ہے اور یہی آواز آل انڈیا ملی کونسل ۶/اپریل ۲۰۱۳ کو نئی دہلی کے رام لیلا گراؤنڈ سے پورے ملک کو دینا چاہتی ہے۔

اس پورے منظرنامہ میں شکر کی بات یہ ہے کہ ابھی بھی عدلیہ انصاف کے ترازو پر کھڑی نظر آرہی ہے اور جس کے نتیجہ میں کچھ ایوارڈ یافتہ ماہرین انکاؤنٹر جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہیں۔لیکن قانون پر عمل کرنے والی جانچ ایجنسی اسے دہشت گردی کے معاملوں میں رہا کیے گئے مسلم نوجوانوں کے معاملے میں کچھ اس انداز میں اپنے تعصب کا اظہار کرتی ہیں کہ عدالت نے تو آزاد کردیا ہے مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ بےقصور ہے۔کیا عدلیہ اور جانچ ایجنسی کے یہ تضادات قانون کی مجبوری بن رہے ہیں یا اس ملک کا شہری اپنے ہی ملک کے قانون اور اس پر عمل کرنے والوں کا شکار بن رہا ہے۔

(مضمون نگار آل انڈیا ملی کونسل کے جنرل سکریٹری ہیں)

••